بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشترکہ خاندانی نظام

شرعی نقطۂ نظر سے

مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

Mob. 09934082422-9473136822

e-mail: ai_adil@rediffmail.com

jamiarabbani@rediffmail.com

www.jamiarabbani.org

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ پاک نے اس روئے زمین کو انسانوں سے آباد کیا، ان کے آپس میں رشتے ناطے قائم کئے، ایک دوسرے کے ساتھ ضرورتیں وابستہ کیں، باہم تعارف کے لئے خاندانوں اور معاشروں کا سلسلہ جاری کیا، اور حقوق وفرائض کا ایک کامل نظام عطا فرمایا، یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسان باہم مربوط بھی ہے اور ان کے درمیان کچھ فاصلے بھی ہیں، انسان بہت سے سماجی اقدار وروایات کا پابند بھی ہے اور اپنی پرائیوٹ زندگی میں بہت حد تک آزاد بھی، یہ دونوں چیزیں توازن کے ساتھ ہوں تو گھر اور معاشرہ جنت نظیر بن جاتا ہے اور توازن بگڑ جائے تو وہی گھر اور سماج جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے،......

انسانی فطرت

انسان فطری طور پر حریت پسند واقع ہوا ہے، وہ سخت اجتماعیت میں بھی انفرادیت کا خواہاں ہوتا ہے اور بے پناہ مشغولیت میں بھی تنہائی کا متمنی ہوتا ہے، اللہ پاک نے انسان کی عجیب خلقت بنائی ہے وہ سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اکیلا رہنا چاہتا ہے اور تنہائی میں بھی وہ اکیلا نہیں ہوتا، ہر شخص کی اپنی شناخت ہے، اپنا ذوق اور مزاج ہے، اپنے مسائل اور ضروریات ہیں اور کوئی شخص زندگی کے کسی بھی مرحلے پر اس کے لئے ہرگز رضامند نہیں ہے کہ اس کی شناخت گم ہوجائے اور اس کے ذوق ومزاج اور شخصی مسائل کو دوسروں کی خاطر نظرانداز کیا جائے، ہر اعتدال پسند انسان چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کے کام آئے مگر دوسروں کے لئے خود اس کی شخصیت فنا نہ ہوجائے، عام انسانی اقدار کا لحاظ واحترام ضروری ہے مگر اس کی اپنی پرائیویسی بھی ختم نہ ہو، وہ دنیا کے ہر رنگ ونوع کو قبول کرنے کو آمادہ ہے مگر اس کا اپنا امتیاز بھی برقرار رہنا چاہئے، انسان کے اسی مزاج اور طبقاتی اور خاندانی رنگارنگی کے اسی راز کو قرآن کریم نے مختصر اور بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

﴿جعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا (الحجرات: ۱۳)﴾

ترجمہ: ہم نے تمہارے اندر مختلف جماعتیں اور خاندان بنائے تاکہ تم باہم پہچانے جاؤ

طبقاتی فرق کا مقصد

یہ طبقاتی فرق انسان کے لئے ایک امتحان ہے کہ اس فرق کا استعمال بندہ کس طور پر کرتا ہے؟ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

وھوالذی جعلکم خلٰئف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ماآتٰکم إن ربک سریع العقاب وإنہٗ لغفوررحیم (۶:۱۶۶)

ترجمہ: اللہ پاک ہی نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور باہم فرق مراتب رکھا تاکہ تم کو عطا کردہ چیز کے بارے میں آزمائے، بیشک تیرا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور وہ یقیناً بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔

اسی لئے شریعت مطہرہ نے اپنے تمام قانونی احکام اور اخلاقی ہدایات میں اس فطری تنوع کا لحاظ رکھا ہے، زندگی کا کوئی مرحلہ ہو اسلام نے اپنے کسی بھی حکم میں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ اس نے کسی فریق یا زندگی کے کسی پہلو کو نظرانداز کیا ہو، یا کسی کی شناخت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہو، اسلامی قانون سراپا عدل وانصاف پر مبنی ہے، اسی بنیاد پر یہ دین قیم اور دین فطرت ہے، اسلام کے نزدیک عدل ہی تقویٰ کا معیار ہے۔

قرآن کی ہدایت ہے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے:

اعدلوا ھواقرب للتقویٰ (مائدۃ: ۸)

ترجمہ: انصاف کرو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے،

احکام وہدایات میں ہر طبقہ کی رعایت

ہم مثال کے طور پر اسلام کی چندان ہدایات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق دو مختلف المراتب فریقین سے ہے اور جن سے انسان کو روز وشب دوچار ہونا پڑتا ہے:

☆ والدین اور اولاد دو مختلف طبقے ہیں مگر اسلام نے دونوں کے مراتب کا مکمل لحاظ رکھتے ہوئے قانونی ہدایات دی ہیں، ایک طرف والدین کا اتنا عظیم حق بتایا گیا کہ ان کے سامنے اُف تک کہنے کی اجازت نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وبالوالدين إحساناً إمايبلغن عندک الكبر أحدهما أوكلاهما فلاتقل لهما أف ولاتنهرهما وقل لهما قولاً كريماً واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كماربياني صغيراً (الاسراء : ۲۴)

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو ان کو اُف نہ کہو اور نہ جھڑکو، ان سے اچھے لہجے میں بات کرو اور رحمت وانکسار کے ساتھ ان کے آگے جھک جاؤ اور ان کے لئے دعا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔

احادیث میں والدین کے حق کو جہاد فی سبیل اللہ سے بھی مقدم بتایا گیا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں:

﴿قلت يا رسول الله أي العمل أحب إلى الله ؟ قال: الصلاة علىٰ وقتها قلت ثم أي؟ قال برالوالدين ،قلت ثم أي ؟ قال الجهاد في سبيل الله﴾

(بخاری مواقیت الصلوٰۃ: ۵۰۴، مسلم کتاب الایمان ۸۵، ترمذی باب البر والصلۃ ۱۸۹۸، نسائی المواقیت ۶۱۰، احمد ا/۴۳۹، دارمی الصلوٰۃ ۱۲۲۵)

ترجمہ: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ پاک کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، وقت پر نماز پڑھنا، میں نے عرض کیا، اس کے بعد کس عمل کا درجہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ'

دوسری طرف والدین کو اپنی اولاد کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی اور انسان پر اولاد کی تعلیم وتربیت کی پوری ذمہ داری ڈالی گئی اور کہا گیا کہ اس سلسلے میں اللہ کے دربار میں ان کو جوابدہی کا سامنا کرنا ہوگا، ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

﴿والرجل راع في أهله ومسئول عن رعيته﴾(بخاری باب الجمعة : ۸۵۳)

ترجمہ: مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اولاد کو انسان کی سب سے بڑی پونجی اور صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا، ارشاد نبوی ہے:

إذا مات العبد انقطع عملهٗ إلامن ثلاث :صدقة جارية أوعلم ينتفع بهٖ من بعدهٖ أوولد صالح

يدعو لهٗ﴾ (مسلم الوصية ۱۶۳۱)

ترجمہ: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل بند ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے کہ ان کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے، (۱) صدقۂ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے بعد میں بھی نفع اٹھایا جاسکے، (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

☆ نکاح کے باب میں اولیاء کو ہدایت دی گئی کہ بالغ لڑکیوں کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر نہ کیا جائے، ورنہ نکاح درست نہیں ہوگا۔

والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها،متفق عليه ،(مشكوٰة باب الولي في النكاح ص ۲۷۰)

ترجمہ: کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے گی، اور اس کی اجازت کا مطلب خاموشی ہے۔

دوسری طرف لڑکیوں کو متنبہ کیا گیا کہ اپنے اولیاء کے مشورہ کے بغیر نکاح نہ کریں، جو عورت بغیر کسی مجبوری کے ایسا کرے گی وہ بے حیائی اور گناہ کی مرتکب قرار دی جائے گی، ارشاد نبوی ہے:

أيما إمرأة نكحت نفسها بغيرإذن وليها فنكاحها باطل ،رواه احمد والترمذی (مشكوة ۲۷۰)

ترجمہ: جو عورت اپنے ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرے گی اس کا نکاح باطل ہے۔

☆ میاں اور بیوی گھریلو زندگی کے بڑے ستون ہیں، ازدواجی زندگی میں دونوں کو الگ الگ ہدایات دی گئیں، شوہر سے کہا گیا کہ تمہاری یک گونہ فضیلت کے باوجود ان کے حقوق کے معاملہ میں تم اسی طرح جوابدہ ہو جس طرح کہ وہ تمہارے معاملے میں جوابدہ ہیں:

﴿ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة﴾ (بقرة : ۲۲۸)

ترجمہ: عورتوں کا مردوں پر اتنا ہی حق ہے جتنا مردوں کا ان پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

جولوگ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے طور پر رہتے ہیں ان کو سوسائٹی کا اچھا آدمی قرار دیا گیا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خیر کم خیر کم لاھلہٖ وانا خیر کم لاھلی الحدیث رواہ الترمذی والدارمی

(مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء ۲۸۱)

تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔

عورتوں کی دلدہی کا اس قدر خیال رکھا گیا کہ ان کی جبری اصلاح سے بھی روکا گیا، ارشاد فرمایا گیا:

﴿إن المرأۃ خلقت من ضلع ولن تستقیم لک علیٰ طریقۃ فإن استمتعت بھا استمتعت بھا وفیھا عوج وإن ذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا﴾ (صحیح مسلم الرضاع ۱۴۶۸)

ترجمہ: بیشک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور وہ کبھی تمہارے ایک راستے پر سیدھی نہیں چل سکتی، پس اس سے جو نفع اٹھا سکتے ہو اٹھالو، اس میں کجی ہے اگر تم اس کو ٹھیک کرنے کے درپے رہے تو اس کو توڑ ڈالو گے، توڑنے کا مطلب طلاق ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

﴿لایفرک مؤمن مؤمنۃ إن کرہ منھا خلقاً رضی منھا خلقا آخر﴾ (مسلم الرضاع ۱۴۶۹، أحمد ۳۲۹/۲)

ترجمہ: کوئی مؤمن مرد کسی مؤمن عورت سے نفرت نہ کرے اس لئے کہ اگر ایک بات ناپسند ہوگی تو دوسری کوئی بات ضرور پسند آئے گی۔

دوسری طرف عورت کو تنبیہ کی گئی کہ

﴿لو کنت آمراً أحداً أن یسجد لأحد لأمرت المرأۃ تسجد لزوجھا ولو أمرھا أن تنتقل من جبل أصفر إلیٰ جبل أسود ومن جبل أسود إلیٰ جبل أبیض کان ینبغی لھا أن تفعلہٗ﴾ (رواہ احمد والترمذی الرضاع ۱۱۵۹ مشکوۃ باب الخلع والطلاق ص ۲۸۳)

ترجمہ: اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کا سجدہ کرے اور اگر شوہر حکم دے کہ زرد پہاڑ سے سیاہ پہاڑ پر چلی جائے اور سیاہ پہاڑ سے سفید پہاڑ کی طرف منتقل ہو تو عورت کو یہ حکم مان

لینا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ

﴿إذادعا الرجل إلیٰ فراشہٖ فأبت أن تجیء فبات غضبان علیھا لعنتھا الملائکۃ حتی تصبح﴾

(بخاری باب بدء الخلق ۳۰۶۵، مسلم النکاح ۱۴۳۶)

ترجمہ: مرد اگر اپنی بیوی کو اپنے پاس بلائے اور عورت آنے سے انکار کردے پھر شوہر اس سے ناراض ہوکر سوجائے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں

ایک دوسری حدیث میں ہے:

﴿لایحل لإمرأۃ أن تصوم وزوجھا شاھد إلا باذنہٖ، ولاتأذن لأحد فی بیتہٖ إلا بإذنہٖ﴾

(البخاری، النکاح ۴۸۹۹، مسلم الزکاۃ ۱۰۲۶، أحمد ۳۱۶/۲)

ترجمہ: کسی عورت کے لئے درست نہیں کہ شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ رکھے یا کسی کو اس کی مرضی کے بغیر اس کے گھر میں آنے کی اجازت دے۔

شوہر کی رضامندی کو عورت کے لئے جنت میں داخلہ کا وسیلہ قرار دیا گیا، حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أیما امرأۃ ماتت وزوجھا راض دخلت الجنۃ (الترمذی الرضاع ۱۱۶۱، ابن ماجہ النکاح ۱۸۵۴)

ترجمہ: جو عورت مرجائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

☆ ایک طرف امراء وحکام کو عدل وانصاف، ادائے امانت، رحم وکرم، خوف خدا اور قانون کی بالادستی کی تاکید کی گئی، الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء﴾ رواہ ابوداؤد والترمذی ۴۳۲)

ترجمہ: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

إعدلوا ھو أقرب للتقویٰ (مائدۃ: ۸) ترجمہ: انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

أن تؤدوا الامانات إلىٰ أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل الآية (نساء : ٨)

ترجمہ: امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مامن امام يغلق بابهٗ من ذوى الحاجة والخلة والمسكنة إلا أغلق الله ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنته

(ترمذی ابواب الاحکام ص ۲۲۷)

ترجمہ: جو امام وحاکم ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت آسمان کے دروازے بند کر لے گا۔

من ولى من امر المسلمين شيئاً فاحتجب دون خلتهم وحاجتهم وفقرهم وفاقتهم احتجب الله عزوجل يوم القيٰمة دون خلته وفاقته وفقره (مستدک حاکم کتاب الاحکام ج۴ ص ۹۳ حیدرآباد)

ترجمہ: جو شخص مسلمانوں کے معاملہ کا ذمہ دار ہونے کے بعد ان کی ضرورت کے وقت سامنے نہ آئے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ضرورت وحاجت کے وقت اس کو نظر نہیں آئے گا۔

الإمام الذى على الناس راع هو مسئو ل عن رعيته (بخاری کتاب الاحکام ۲/۱۰۵۷)

ترجمہ: وہ امام جو لوگوں پر مقرر ہے وہ نگراں کار ہے اس سے اس کے زیر نگرانی اشخاص کے متعلق باز پرس ہوگی۔

مامن عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنسجته إلا لم يجد رائحة الجنة (بخاری کتاب الاحکام ۲/۱۰۵۷)

ترجمہ: جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا نگراں بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ جنت کی بو بھی نہیں پائے گا۔

تو دوسری جانب عوام کو اپنے امیر کی ہر جائز امر میں اطاعت کی تلقین کی گئی اور اس کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حصہ قرار دیا گیا، اگر امیر اپنی ذمہ داریوں کے باب میں کوتاہی کا شکار ہو تب بھی اس کو نظر انداز کر کے اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے کی

ہدایت کی گئی:

قرآن کریم میں ہے:

﴿يأيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ (النساء : ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس رسول اور اپنے ذمہ داروں کی اطاعت کرو۔

ارشاد نبوی ہے:

﴿على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب وكره إلا أن يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة﴾

(البخاری الأحکام ۷۲۲۵، مسلم الإمارة ۱۸۳۹، الترمذی الجهاد ۱۷۰۷)

ترجمہ: ہر مسلمان پر امیر کی سمع وطاعت ہر معاملہ میں واجب ہے جی چاہے یا نہ چاہے، الا یہ کہ کسی معصیت کا حکم دیا جائے اگر امیر معصیت کا حکم دے تو پھر سمع وطاعت واجب نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا:

يانبى الله! أرأيت إن قامت علينا أمراء يسألوننا حقهم ويمنعوننا حقنا فما تأمرنا ؟ فأعرض عنه ثم سأله مرة ثانية، فقال رسول الله ﷺ اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ماحملوا وعليكم ماحملتم﴾ (مسلم الامارة ۱۸۴۶، الترمذی الفتن ۲۱۹۹)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق وصول کریں لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو ایسے امراء کے بارے میں آپ کا حکم کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اس بات کو نظر انداز کر دو، اس نے دوبارہ یہی سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا کام سمع وطاعت ہے تم پر تمہارے کام کی ذمہ داری ہے ان پر ان کے کام کی ذمہ داری ہے۔

☆ ایک طرف مال والوں کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اور صدقہ وخیرات کے اتنے فضائل بیان کئے گئے کہ بعض صحابہ نے اپنا سارا مال ہی صدقہ کر دینے کی ٹھان لی تھی۔

پڑوسیوں کا اتنا حق بتایا گیا کہ گھر کے سالن میں بھی ان کو شریک کیا گیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

﴿إذا طبخت مرقة فاكثر مائها وتعاهد جيرانك﴾

(مسلم البر والصلة والآداب ۲۶۲۵،الترمذی الأطعمة ۱۸۳۳،ابن ماجه الأطعمة ۳۳۲۶)

ترجمہ:شوربہ پکاؤ تو پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔

لیکن دوسری طرف سوال کرنے اور کسی سے مدد مانگنے کو انسانی غیرت کے خلاف کہا گیا اور اس کو چہرہ پر گداگری کے بدنما داغ سے تعبیر کیا گیا (دیکھئے صحیح بخاری کتاب الصدقات باب من سأل الناس تکثراً،۱/۱۹۹) اور فرمایا گیا:

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ (بخاری کتاب الصدقات باب الاستعفاف عن المسئلة ۱/۱۹۹)

ترجمہ:اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

☆ایک طرف انسان کو مواقع تہمت سے بچنے کا حکم دیا گیا تا کہ کسی کو بدگمانی یا قیاس آرائی کا موقعہ نہ ملے:

إتقو امواضع التهمة الحديث ( ) ترجمہ:تہمت کی جگہوں سے بچو

تو دوسری طرف اپنے مؤمن بھائیوں کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا اور بہت سے گمانوں کو گناہ قرار دیا گیا اور کسی کی ٹوہ میں رہنے سے منع کیا گیا بلکہ بے اختیار اگر کسی مسلمان کے کسی عیب پر نگاہ بھی پڑ جائے تو اس کو ہر ممکن طور پر مخفی رکھنے کی تاکید کی گئی۔

﴿یاایهاالذین امنوا إجتنبوا کثیراًمن الظن إن بعض الظن إثم و لاتجسسوا﴾ (حجرات : ع ۲)

ترجمہ:ایمان والو!اکثر گمانوں سے بچو اس لئے کہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں۔

عن عقبة بن عامرؓقال قال رسول اللّٰه ﷺ من رای عورة فسترها کان کمن أحییٰ موؤدة (رواه احمد والترمذی،مشکوٰة ص ۴۲۴)

ترجمہ:حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کا کوئی عیب دیکھا پھر اس کو چھپا لیا تو اس نے گویا کسی دفن شدہ لڑکی کو زندہ کر دیا۔

☆ ایک طرف مردوں کو یہ حکم کہ نامحرم عورتوں پہ نظر نہ پڑے اور اپنی نگاہیں نیچے رکھیں،

قل للمؤمنین یغضوامن ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلک أزکیٰ لهم (النور : ع ۴)

ترجمہ: آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے پاکی کا باعث ہے۔

دوسری طرف عورتوں کو یہ ہدایت کہ

قرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الأولیٰ (الاحزاب : ۳۳)

ترجمہ:اپنے گھروں میں رہیں اور پرانی جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ نکلیں۔

☆بزرگوں کو حکم کہ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور چھوٹوں کو تاکید کہ حد ادب ملحوظ رہے،ارشاد نبوی ہے:

﴿لیس منامن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا﴾رواه الترمذی ،مشکوٰة باب الشفقة والرحمة علی الخلق ص ۴۳۲)

ترجمہ: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

اس طرح کی بیشمار مثالیں ہیں جن میں شریعت اسلامیہ نے دوطرفہ اور سہ طرفہ ہدایات دیکر لوگوں کے حقوق،ان کی شناخت اور ترجیحات کا تحفظ کیا ہے،تا کہ نظام عالم قائم رہے،معاشرتی اقدار وروایات جاری رہیں اور ہر شخص کی ذاتیات بھی محفوظ رہیں،اسلام کسی بھی ایسے فکر وعمل کی اجازت نہیں دیتا جس سے کسی فرد یا اجتماع کا مفاد متاثر ہوتا ہو،......خاندانی نظام کے مسائل کو سمجھنے کے لئے اسلام کے اس مزاج اور مذاق کو پیش نظر رکھنا ازحد ضروری ہے۔

اجتماعی زندگی کے چند رہنما اصول

اسی طرح اسلام نے اجتماعی زندگی کے لئے جو قواعد وضوابط اور رہنما اصول مقرر کئے ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا ہوگا ،اس سلسلے کے چند اشارات پیش خدمت ہیں،

☆رسول اکرم ﷺ کا عام معمول حدیث کی کتابوں میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ کو دو جائز باتوں میں اختیار ملتا تو ان میں عام لوگوں کے لئے جو آسان بات ہوتی اس کو اختیار فرماتے تھے:

﴿عن عائشةؓ انها قالت ماخیر رسول اللّٰه بین أمرین قط إلا إختار أیسرهما مالم یکن إثماً فان کان إثماکان أبعدالناس (بخاری کتاب الادب حدیث ۵۸۸۸،۲/۹۰۴)﴾

ترجمہ:حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو باتوں میں اختیار ملتا تو آپؐ ان میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آسان تر کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو گناہ ہونے پر سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے،

☆نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاضرر ولاضرار (قواعد الفقه ص ۱۰۶ ،المدخل :۲۲۵)

ترجمہ: کسی کو نہ نقصان پہونچانے کی اجازت ہے اور نہ اٹھانے کی۔

☆اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ کی وہ فکر جس کو بناء کعبہ کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نقل فرمایا ہے کہ آپؐ خانۂ کعبہ کی تعمیر ابراہیمی بنیادوں پر کروانا چاہتے تھے لیکن مکہ کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، فتنہ کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اپنا ارادہ ترک فرمادیا:

ان روایات سے بہت سے فقہی ضابطے تیار ہوئے، مثلاً

☆**لاضرر فی الاسلام (الموسوعة الفقهية : ج ۳۱ ص ۲۴۰)**

ترجمہ: اسلام میں کسی کو نقصان پہونچانے کی اجازت نہیں ہے۔

مشہور فقہی ضابطہ ہے

☆**یختار أخف الضررین واهون الشرین**

(الموسوعة الفقهية : ج ۳۱ ص ۲۴۰، قواعد الفقه ۱۴۰)

ترجمہ: دوشر میں سے ہلکے شر کو گوارا کیا جائے گا اور مصیبتوں میں ہلکی مصیبت کو اختیار کیا جائے گا،

☆**الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف (الموسوعة الفقهية : ج ۳۱ ص ۲۴۰، الاشباه ۱۱۱)**

ترجمہ: بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان کے ذریعہ دور کیا جائے گا۔

☆**یحتمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام (قواعد الفقه : ص ۱۳۹، الاشباه ۱۱۰)**

ترجمہ: ضرر عام کو دور کرنے کے لئے ضرر خاص کو گوارا کیا جائے گا۔

☆**الضرر یزال (قواعد الفقه ص ۸۸، الاشباه ۱۰۷)**

ترجمہ: ضرر کو دور کیا جائے گا۔

☆**الضرر یدفع بقدر الامکان (قواعد الفقه ص ۸۸)**

ترجمہ: ضرر کو ممکن حد تک دور کیا جائے گا۔

☆یہیں سے فقہاء نے یہ ضابطہ بھی اخذ کیا ہے کہ بعض جائز امور کو مفسدہ کے ڈر یا شر کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے چھوڑ دینا واجب ہے، سدالباب اور سدّ الذریعة کا اصول یہیں سے اخذ کیا گیا ہے،

☆قرآن کریم شراب اور جوا کی حرمت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما إثم کبیر ومنافع للناس وإثمهما أکبر من نفعهما (بقرة : ۲۱۹)

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے نفع بھی ہے مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھکر ہے۔

☆اس سے یہ فقہی ضابطہ اخذ کیا گیا:

درء المفاسد اولیٰ من جلب المنافع (قواعدالفقه ،مفتی عمیم الاحسان ۸۰، الاشباه ۱۱۴)

ترجمہ: حصول نفع کے مقابلے میں دفع مضرت زیادہ مقدم ہے۔

اس اصولی گفتگو کے بعد اب ہم خاندانی نظام کے مسئلے پر آتے ہیں، یہ مسئلہ نصوص میں تو آیا نہیں ہے اور نہ فقہاء سلف کے یہاں باقاعدہ زیر بحث آیا ہے، اس کو ہمیں اسلام کے قواعد وکلیات اور عرف وعادات کی روشنی میں حل کرنا ہوگا۔

خاندان کی اہمیت

☆خاندان اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس میں انسان کے لئے سامان مؤدت بھی ہے اور اس کی پشت پر بہت بڑی قوت بھی، اس سے انسان کی شناخت بھی وابستہ ہے اور جاری اقدار وروایات کا تسلسل بھی، خاندانی پس منظر انسان کے لئے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے بغیر انسان کٹی پتنگ کے مانند ہے اور زندگی کے منجھدار میں گویا وہ ایک بے پتوار کی کشتی پہ سوار ہو، حضرت شعیبؑ کے قصہ میں یہی خاندانی قوت کافروں کے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی، ان کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ ان کی اسی بے بسی کا غماز ہے:

ولو لا رهطک لرجمنک وماأنت علینا بعزیز قال أرهطی أعز علیکم من الله الآیة

(هود : ۹۱، ۹۲)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ترجمہ: اگر تمہارے کنبہ کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کردیتے، ہمارے نزدیک تمہاری کوئی عزت نہیں ہے ،حضرت شعیبؑ نے فرمایا کیا اللہ کے مقابلہ میں میرا کنبہ تمہارے نزدیک زیادہ باعزت ہے؟

حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی میں شعب ابی طالب کا واقعہ خاندانی وحدت کی بہترین مثال ہے، جس میں مذہب کی قید کے بغیر خاندان بنو ہاشم کے ہر فرد نے شرکت کی

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۹، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۲۲)

اسی طرح دار الندوہ میں حضور ﷺ کے (معاذ اللہ) منصوبۂ قتل پر قریش کو دس بار سوچنا پڑا تھا کہ کہیں پورا بنی عبد مناف مقابلہ پر نہ آجائے اور پھر یہ تجویز پاس ہوئی کہ تمام قبائل کے لوگ اس میں شریک ہوں اور ہر قبیلہ سے ایک شخص اس کام میں نمائندگی کرے (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۲)

حضور ﷺ کے مقاطعہ کے پیچھے بھی جو اصل محرک کارفرما تھا وہ بنو ہاشم کی خاندانی قوت کو کمزور کرنا اور بالآخر حضور ﷺ کی آواز کو بے اثر کرنا،......

اس سے خاندان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کی ذاتی زندگی کے لئے خاندان کی ضرورت ہے اسی طرح دینی مقاصد میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔

قربت میں اعتدال کی ضرورت

مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باہم معاملات میں جس قدر صفائی اور قربت میں جتنا اعتدال ہوگا یہ رشتہ اتنا ہی زیادہ مستحکم اور دیرپا رہے گا، یعنی قربت اور قرابت میں بھی فاصلہ برقرار رہنا چاہئے، بہت زیادہ نزدیکی رشتوں کو کاٹتی ہے ،حد سے زیادہ قربت دلوں میں دوریاں پیدا کردیتی ہے، اور اندھا اعتماد جلد ٹوٹ جاتا ہے، اسی اعتدال کا سبق ہمیں ایک حدیث پاک میں ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تعاملوا کالاجانب وتعاشروا کالاخوان الحدیث (   )

ترجمہ: آپس میں معاملات اجنبیوں کی طرح کرو اور رہن سہن بھائیوں کی طرح رکھو،

مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے

اس تناظر میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے بالمقابل جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے، مسئلہ جواز وعدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ اس کا ہے کہ ایک عام انسان کے لئے کون سا طرز زندگی بہتر ہے، وہ۔ جس میں خاندان کے تمام افراد ایک ساتھ رہیں، ایک ساتھ کاروبار کریں اور ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں، یا وہ نظام جس میں خاندان کے تمام لوگ اپنی رہائش، کھانے پینے اور کاروبار میں آزاد ہوں لیکن اس کے باوجود وہ باہم مربوط بھی ہوں اور ہر رنج وغم میں ایک دوسرے کے شریک ہوں......؟ میری رائے میں عام حالات میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے اس میں متعدد ایسی قباحتیں ہیں جن سے جداگانہ نظام محفوظ ہے، اسباب کی تفصیل درج ذیل ہے :

اسباب ووجوہات

(۱) شرعی حدود کی جتنی رعایت جداگانہ نظام میں ممکن ہے، مشترکہ خاندانی نظام میں نہیں، کئی ایسے مراحل ہیں جن میں مشترکہ نظام شرعی حدود کو قائم رکھنے میں ناکام ثابت ہوتا ہے مثلاً

☆ کاروبار، اس میں شراکت اگر پوری امانت ودیانت کے ساتھ ہو تو بڑی باعث برکت ہے، احادیث میں اس کی ترغیب آئی ہے، ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ید اللہ مع الشریکین مالم یتخاونا فإذا تخاونا محقت تجارتھما فرفعت البرکة منھما رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص   )﴾

ترجمہ: شرکاء کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے جب تک کہ خیانت نہ کریں خیانت کریں گے تو ان کی تجارت ختم کردی جائے گی اور برکت اٹھالی جائے گی۔

﴿عن ابی ہریرۃؓ رفعہٗ قال إن اللہ عز وجل یقول أنا ثالث الشریکین مالم یخن أحدھما صاحبہٗ فاذا خانہٗ خرجت من بینھما رواہ ابوداؤد (مشکوۃ باب الشرکۃ ۲۵۴)﴾

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع طور پر منقول ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں دوشرکاء کے درمیان تیسرا ہوتا ہوں بشرطیکہ ان میں سے کوئی خیانت نہ کرے اگر کوئی   خیانت کرتا ہے کہ تو میں بیچ سے نکل جاتا ہوں۔

اس کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ شراکت کے کاروبار میں انفرادی قوت کے ساتھ دماغی قوت بھی دوچند ہوجاتی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے،جس سے کاروبار کی ترقی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں،......مگر شرکت کے ساتھ امانت و دیانت کو قائم رکھنا آسان بات نہیں ہے،ایک تو خود تجارت ہی پوری دیانت داری اور سچائی کے ساتھ بہت مشکل ہے اس میں بھی شراکت کی تجارت،بہت کم ایسی مثالیں ہیں جن میں پوری دیانت اور امانت کے ساتھ شراکت کا کاروبار بحسن وخوبی تادیر جاری رہا ہو،بالخصوص اس دور میں جب کہ مسلمانوں کے اکثر طبقات میں دیانت و امانت کا بحران پایا جاتا ہے......یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ شراکت کے کسی معاملے میں خواہ وہ قریب ترین رشتہ داروں ہی کے درمیان ہو ہر فریق تمام شرعی حدود کا لحاظ رکھ سکے گا،اور کسی طرف سے کوئی خیانت پیش نہیں آئے گی،کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی،کسی کو کسی سے کوئی آزار نہیں پہونچے گا،اس لئے حق تلفی،ایذارسانی اور خیانت کے ان مضبوط اندیشوں سے بچنے کا محفوظ راستہ یہی ہے کہ انسان جہاں تک ممکن ہو کوئی بھی کاروبار انفرادی سطح پر کرے یا کم سے کم لوگ اس میں شریک ہوں،نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ﴾رواه الترمذی والنسائی (مشکوٰۃ ص ۱۵)

ترجمہ:مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

علاوہ ازیں شرکت کی تمام ترفضیلت و برکت،دیانت کی بنیاد پر ہے اگر دیانت و امانت ہی مفقود یا مشتبہ ہو جائے تو کس بنیاد پر فضیلت ہوگی؟اور اگر دیانت و امانت موجود ہو تو تنہا تجارت بھی فضیلت سے خالی نہیں،نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء رواه الترمذی والدارمی

(مشکوٰۃ باب المساهلة فی المعاملة ص ۲۴۳))

ترجمہ:سچا اور ایماندار تاجر انبیاء،صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مشترک طور پر رہنے میں بالعموم غیر محرموں سے مکمل شرعی پردہ کا اہتمام نہیں ہو پاتا بلکہ بسا اوقات اس کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے جو ایک بڑی شرعی قباحت ہے،جس کو مشترکہ طرز رہائش سے ختم کرنا بہت مشکل ہے ،انفرادی طرز رہائش میں جس میں زیادہ سے زیادہ والدین شامل ہوں اس قباحت سے آدمی محفوظ رہ جاتا ہے،اور انسان چاہے تو پوری طرح شرعی پردہ کا اہتمام کرسکتا ہے۔

حضور ﷺ کا گھریلو نظام

(۳) جداگانہ خاندانی نظام نبی کریم ﷺ کی خانگی زندگی سے زیادہ قریب ہے،اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے

پاس بیک وقت نو (۹) بیویاں تھیں،(مشکوٰۃ ۴۴۷)اور ان سب کی رہائش اور خورد و نوش کا انتظام جداگانہ تھا،تمام کے حجرے الگ تھے،جبکہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے زیادہ پاکدل اور صاف باطن دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟اور ان سے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کی نگہداشت کا خیال کس کو ہوسکتا ہے؟اگر ان کا مشترکہ نظام بنتا تو بھی ہر طرح کی قباحت سے ان کا بچنا دوسروں کے مقابلہ میں بہت آسان تھا،کہ یہ سید الکونین ﷺ کا گھرانہ تھا،یہاں کے افراد دنیا کے سب سے چنے ہوئے لوگ تھے،یہ دنیا کے انسانوں کے لئے سب سے بہترین نمونہ تھے اور جن کو دیکھ کر تقویٰ و طہارت کے سانچے مقرر کئے جاتے تھے ......خود قرآن کریم نے ان کے امتیاز و انفرادیت کی ضمانت دی ہے:

يانساء النبی لستن كاحد من النساء ان اتقيتن الآية (احزاب : ۳۲)

ترجمہ:اے نبی کی عورتو!تم دنیا کی عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو......

لیکن ان سب کے باوجود حضور ﷺ نے مشترکہ نظام اختیار نہیں فرمایا اور تمام ازواج کے لئے قیام و طعام کا جداگانہ نظام قائم فرمایا،

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور پوچھتے کہ آج گھر میں کچھ ہے؟اگر ہر گھر سے جواب ملتا نہیں،تو آپ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔(مسند احمد بن حنبل ۲/۴۹)

اگر کھانے کا نظام مشترکہ ہوتا تو تمام ازواج کے پاس تشریف لے جانے کی زحمت نہ فرماتے۔

بعد میں جب فتوحات کا آغاز ہوا تو آپ ؐ کی اجازت سے بنو نضیر کے نخلستان سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اس میں ہر ایک کا برابر برابر حصہ مقرر کر دیا گیا،جو ان کے سال بھر کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا(بخاری کتاب النفقات باب حبس الرجل قوت سنة علی اہلہ ۲/۸۰۶)پھر خیبر فتح ہوا تو ازواج کے لئے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا،وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے(بخاری کتاب الحرث والمزارعة باب المزارعة بالشطر حدیث نمبر ۲۲۷۰ ج ۱۲/۳۱۳)

ازواج مطہرات کی خوش رنجیاں

اس احتیاط کے باوجود تمام ازواج مطہرات میں پوری ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی ان میں دو گروپ تھے(مشکوٰۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ ص ۵۷۳)کبھی ان میں خوش رنجیاں بھی ہو جاتی تھیں،مثلاً

☆شہد کے مسئلے پر ازواج کے درمیان جو خوش رنجی ہوئی وہ تفسیر و حدیث و سیر کی کتابوں میں معروف ہے،(نسائی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب الغیرۃ ۴/۷۱وغیرہ) جس کے نتیجے میں اللہ کے رسول ﷺ نے شہد سے بالکلیہ اجتناب فرمالیا تھا، لیکن حکم الٰہی آ جانے کے بعد آپ نے اپنا فیصلہ تبدیل کرلیا، قرآن میں اس کا تذکرہ موجود ہے،

﴿یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم ،قد فرض اللہ تحلۃ ایمانکم واللہ مولکم وھو العلیم الحکیم (التحریم : ۱،۲)﴾

ترجمہ: اے نبی! آپ بیویوں کی دلجوئی کے لئے اللہ کی حلال کردہ چیز سے کیوں پرہیز کرتے ہیں؟ اللہ بخشنے والے مہربان ہیں، اللہ پاک نے آپ کی قسم توڑنے کو ضروری قرار دیا ہے، اللہ آپ سب کا مالک ہے اور وہی علم وحکمت والا ہے۔

☆ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آپؐ نے رونے کی وجہ دریافت کی، انہوں نے عرض کیا، مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو" آپؐ نے فرمایا "تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا پیغمبر، تمہارے شوہر پیغمبر، حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کرسکتی ہے، آپؐ نے حضرت حفصہؓ کو تنبیہ فرائی، حفصہ! اللہ سے ڈرو

(ترمذی کتاب المناقب ج۲ص ۴۷۸)

☆ایک دفعہ حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے بھی اسی طرح کی تنقید پر حضور ﷺ نے مذکورہ جواب دہرایا تھا (سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ۲/۲۴۳)

☆ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضور ﷺ کے سامنے اشارتاً ایسی بات کہی جس سے ان کے چھوٹے قد ہونے پر تعریض جھلکتی تھی، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ کو تنبیہ کی اور فرمایا، عائشہ! تم نے اتنی سخت بات کہی ہے کہ اگر وہ سمندر میں ڈال دی جائے تو پورے سمندر کو متغیر کردے،

(مشکوٰۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ ص۴۱۴ بروایت ابوداؤد وترمذی)

☆ایک موقعہ پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں، تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت حفصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہونچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو

نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر گھاس کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے (سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ۲/۲۴۳)

☆ایک بار آنحضرت ﷺ سفر میں تھے اور ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں، اتفاقاً حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہوگیا، حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو، انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے سے زیادہ ان کے پاس نہ گئے، (مشکوٰۃ باب ماینھیٰ من التہاجر ص۴۲۹ بروایت ابوداؤد)

☆حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں ایک دن انہوں نے کچھ پکا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا، آپ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، حضور ﷺ نے پیالہ کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے اور ان کو جوڑا، پھر صاحب خانہ سے اس کے بدلے میں دوسرا پیالہ منگوا کر ان کو واپس کیا، (بخاری، کتاب المظالم باب اذا کسر قصعۃ او شیئاً لغیرہ ا/۳۳۷، ۲/۷۸۶ باب الغیرۃ کتاب النکاح، نسائی باب الغیرۃ ۴/۷۰)

بعض روایتوں میں حضرت صفیہؓ کے بجائے حضرت ام سلمہؓ کا نام ہے اور بعض میں حضرت زینب بنت جحشؓ کا نام لیا گیا ہے، (فتح الباری کتاب النکاح ۹/۴۰۴)

نکاح کے بعد حضرت علیؓ کی رہائش

(۴) جداگانہ خاندانی نظام کے مسئلہ پر حضور ﷺ کی خانگی زندگی کے اس واقعہ سے بھی روشنی ملتی ہے جو حضرت علیؓ کے بارے میں تاریخ میں موجود ہے:

مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے نکاح سے قبل حضرت علیؓ کی سکونت حضور ﷺ کے ساتھ تھی، حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے بعد حضور ﷺ نے ان کو حضرت حارثہ بن النعمانؓ کے خالی مکان میں منتقل فرمادیا اور پھر اس کے بعد ہمیشہ ان کا اپنا گھریلو نظام الگ ہی رہا (سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۱۱، ۲۱۲ علامہ شبلی نعمانی)

اگر مشترکہ نظام زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہوتا تو حضرت علیؓ کو علٰحدہ مکان میں منتقل کرنے کے بجائے اپنے ساتھ ہی ان کی رہائش کا انتظام کیا جاتا، جبکہ صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ دونوں قبل سے آپ کی کفالت میں تھے، اس سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہ اشارہ ملتا ہے کہ خود اپنی اولاد میں بھی شادی کے بعد پرائیویسی اور انفرادیت کا لحاظ رکھا جانا چاہئے،

فقہاء کا تجویز کردہ نظام سکونت

(۵) فقہاء نے افرادِ خانہ کے لئے رہائش کا جو نقشہ مرتب کیا اس میں بطورِ خاص اس پرائیویسی کا لحاظ رکھا ہے، مثلاً شریعت اسلامیہ نے شوہر پر یہ حق عائد کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو رہائش فراہم کرے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وأسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن (الطلاق : ٦)﴾

ترجمہ: عورتوں کو رہائش فراہم کرو جو تمہاری حیثیت کے مطابق ہو اور ان کو تکلیف نہ پہونچاؤ کہ وہ تنگ آجائیں۔

اس ذیل میں فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ رہائش کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض عورت کے سر پر ایک چھت فراہم کردی جائے بلکہ جداگانہ اور مخصوص مکان کی فراہمی عورت کا شرعی حق ہے جس میں وہ نجی زندگی گذار سکے اور جو شوہر کے اہل خانہ اور رشتہ داروں کی آمد و رفت سے محفوظ ہو۔

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں

ولو اراد الزوج أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كام الزوج وأخته وبنته من غيرها و أقاربه فأبت ذلك عليه أن يسكنها في منزل مفرد لأنهن ربما يوذينها ويضرون بها في المساكنة وإبائها دليل الأذى والضرر ولأنه يحتاج إلىٰ أن يجامعها ويعاشرها في أي وقت يتفق، ولا يمكنهٗ ذلك إذا كان معها ثالث حتىٰ لو كان في الدار بيوت ففرغ لها بيتاً وجعل لبيتها غلقاً علىٰ حدة قالوا إنها ليس لها أن تطالبه ببيت آخر.

(بدائع الصنائع كتاب النفقة ۴۲۸/۳، ۴۲۹)

ترجمہ: اگر شوہر اپنی بیوی کو اس کی سوکن، دیوروں، شوہر کی ماں، بہن، لڑکی یا دیگر رشتہ داروں کے ساتھ رکھنا چاہے اور عورت اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو شوہر پر لازم ہے کہ اس کو جداگانہ مکان میں رہائش دے، اس لئے کہ ایک ساتھ رہنے پر ایک دوسرے کو تکلیف ہو سکتی ہے، چنانچہ عورت کا انکار اس کی علامت ہے، نیز عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ کسی بھی وقت تنہائی کی ضرورت ہے اور تیسرے کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں، البتہ ایک بڑے گھر میں کئی کمرے ہوں اور شوہر ان میں سے ایک کمرہ اپنی بیوی کے لئے خاص کردے اور اس کے لئے تالا

چابی الگ کردے تو فقہاء نے کہا ہے کہ پھر اسے مزید کسی کمرہ یا مکان کے مطالبہ کا حق نہیں رہ جائے گا۔

بعض فقہاء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اوسط سے اوپر درجہ کے گھرانوں میں کمرہ کے ساتھ مطبخ، بیت الخلاء اور پانی کا انتظام بھی جداگانہ ہونا چاہئے، درمختار میں ہے:

ومراده لزوم كنيف ومطبخ وينبغي الافتاء به (درمختار) اى بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكونا داخل البيت او في الدار لايشاركها فيهما أحد من أهل الدار، قلت: وينبغي ان يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والاحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصهٗ وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء ...... وذكر الخصاف أن لها أن تقول لااسكن مع والديك وأقربائك في الدار فأفرد لي داراً قال صاحب الملتقط هذه الرواية محمولة على المؤسرة الشريفة وماذكرنا قبلهٗ ان إفراد بيت في الدار كاف إنما هو في المرأة الوسط أعتباراً في السكنىٰ بالمعروف اه......ومفهومهٗ أن من كانت من ذوات الأعسار يكفيها بيت ولو مع أحمائها وضرتها كأكثر الأعراب وأهل القرىٰ وفقراء المدن الذين يسكنون في الاحواش والربوع ...... فقد مر ان الطعام والكسوة يختلفان بإختلاف الزمان والمكان.

(ردالمحتار كتاب الطلاق ۲۵۵/۵، ۲۵۶)

یہ مضمون فقہ کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں آیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی قانون رہائش کے معاملہ میں ہر شخص کی نجی زندگی اور اس کے تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتا ہے اور اس کو مشترکہ طور پر رہنے کے لئے مجبور نہیں کرتا...... یہ مسئلہ فقہاء نے بیوی کے حق سکونت کے ذیل میں بیان کیا ہے لیکن دیکھئے تو بیوی خاندان کی سب سے بڑی اکائی ہوتی ہے اور میاں بیوی سے ملکر ایک مختصر خاندان وجود میں آتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس میں توسیع ہوتی رہتی ہے، بچے پیدا ہوتے ہیں، بوڑھے ماں باپ شامل ہو جاتے ہیں وغیرہ،......لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مسئلہ دراصل آغاز کے وقت پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کی شادی کے بعد ان کو ساتھ رکھا جائے یا ان کو جداگانہ رہائش دی جائے، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مذکورہ بالا واقعہ اور فقہاء کی ان تصریحات سے متبادر ہوتا ہے کہ بہتر طریقہ یہی ہے کہ شادی کے بعد ہی اولاد کو الگ کردیا جائے اور ان کی جداگانہ رہائش اور نجی زندگی میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مداخلت کے بغیر ان سے خدمت اور دیگر حقوق کے لئے نظام بنایا جائے۔

عہد اسلامی کے بعض علاقوں کی رہائش

(۶) علامہ شامیؒ نے کتاب الطلاق میں اپنے عہد اور اپنے علاقہ کے طرز رہائش کے بارے میں ضمناً جو اشارہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دور میں مسلم خاندانوں میں جداگانہ رہائش عام تھی، البتہ بیت الخلاء اور پانی وغیرہ میں گاہے اشتراک بھی ہوتا تھا اور یہ اس دور میں اعلیٰ اور اوسط دونوں طرح کے گھرانوں میں عیب کی بات نہیں مانی جاتی تھی، شامی کے الفاظ ہیں:

وأهل بلادنا الشامية لايسكنون في بيت من دار مشتملة علیٰ أجانب وهذا في أوساطهم فضلاً عن أشرافهم إلاأن تكون داراً مورثة بين إخوة مثلاً فيسكن كل منهم من جهة منها مع الإشتراك في مرافقها ،فإذا تضررت زوجة أحدهم من أحمائها أو ضرتها وأرادزوجها إسكانها في بيت منفرد من دار لجماعة أجانب وفي البيت مطبخ وخلاء يعدون ذلك من أعظم العارعليهم ،فينبغي الإفتاء بلزوم دار من بابها

(ردالمحتار كتاب الطلاق مطلب في مسكن الزوجة ۵/۲۵۵ مطبوعه ديوبند)

ترجمہ: ہمارے علاقہ میں شام کے لوگ کسی ایسے مکان میں رہائش کو پسند نہیں کرتے جس کے احاطے میں دوسرے اجنبی لوگ بھی رہ رہے ہوں یہ اوسط گھرانوں کا حال ہے اشراف کا تو کہنا ہی کیا، الا یہ کہ کوئی ایسا مکان ہو جو بھائیوں میں وراثت کی بنیاد پر مشترک ہو اور ہر بھائی کی فیملی الگ الگ حصے میں پانی اور بیت الخلا وغیرہ کے اشتراک کے ساتھ رہائش پذیر ہو، ایسی صورت میں اگر کسی بھائی کی بیوی اپنے دیور یا سوکن سے تکلیف محسوس کرے اور اس کی وجہ سے اس کا شوہر کسی ایسے فلیٹ یا گھر میں اپنی بیوی کو منتقل کرنا چاہے جس میں مطبخ اور بیت الخلاء وغیرہ تو موجود ہوں مگر اس کے احاطے میں اجنبی خاندان بھی رہائش پذیر ہوں تو ہمارے علاقے میں یہ بڑے عیب کی بات سمجھی جاتی ہے۔

مشترکہ نظام کے مقاصد

(۷) مشترکہ رہائش کا مقصد باہم جذبۂ تعاون کو فروغ، خاندانی رشتوں کا احترام، بزرگوں کے زیر سایہ چھوٹوں کی

تربیت، ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ، کچھ دن محنت پھر آرام کی فطری خواہش اور ہر شخص کی اس میں حصہ داری کا لحاظ اور تنہائی و بے کسی کے کرب سے ہر ایک کی حفاظت، جس کی نوبت ایک نہ ایک دن بڑھاپے میں ہر شخص کو آتی ہے وغیرہ......

لیکن آج کے دور میں جہاں اکثر اخلاقی قدریں زوال پذیر ہورہی ہیں، ان میں باہم اشتراک کے ساتھ ان بلند مقاصد کا حصول مشکل ہوگیا ہے، عموماً ایک ساتھ رہنے کے نتیجے میں باہم اختلاف بڑھتا ہے، رشتوں کا توازن بگڑتا ہے، ماحول میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے، نزدیکیاں دوریوں میں بدلتی ہیں، باہم مخلصانہ جذبات کمزور پڑنے لگتے ہیں، تعاون کے بجائے ضرر کا جذبہ ابھرنے لگتا ہے، حقوق وفرائض کا احساس تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے، حق تلفیاں عام ہوجاتی ہیں، بزرگوں کا احترام بے کیفی اور بدمزگی میں بدل جاتا ہے، رسم وروایات کے جبر سے بغاوت وجود میں آتی ہے، سب مل کر آگے بڑھنے کے بجائے ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور نیچا دکھانے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور اس ضمن میں اکثر جانی ومالی زیادتیاں بھی ہوتی ہیں وغیرہ......

جداگانہ نظام کے ذریعہ مقاصد کا حصول

اس لئے شریعت کے عام اصول کے مطابق کہ ''منافع کے حصول سے زیادہ ضروری مفاسد کو دور کرنا ہے''، لاضرر ولاضرار'' بعض اہم مقاصد کے حصول کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے بجائے دفع مضرت کی خاطر جداگانہ خاندانی نظام زیادہ لائق ترجیح اور قابل قبول ہے،...... بلکہ اگر صحیح وقت پر اور شرعی اصولوں کی روشنی میں اولاد یا بھائیوں کو علحدہ رہائش مہیا کرادیا جائے، اور ان کی ابتدائی تربیت دینی بنیادوں پر ہوئی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ الگ الگ رہ کر بھی افراد خاندان ان بلند مقاصد کے ممکنہ حصول کے لئے متحد نہ ہوں جو مشترکہ نظام کی روح ہیں اور ان مفاسد کو دور کرنے کے لئے کوئی لائحۂ عمل مرتب نہ ہوسکے جو جداگانہ نظام کا لازمہ سمجھا جاتا ہے، جب ایک دوسرے سے مسائل وابستہ نہ ہونگے، تو باہم تنازعہ نہیں ہوگا، محبت فروغ پائے گی، خون کا رشتہ رنگ لائے گا، ایک دوسرے کی مصیبت میں لوگ کام آئیں گے، ہر شخص دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے گا،......

رہا بوڑھے ماں باپ اور خاندان کے بے آسرا لوگوں کا معاملہ، تو ان کے لئے باہم اشتراک سے کوئی نظام مرتب کیا جاسکتا ہے، تمام افراد خاندان کے درمیان حسب مرتبہ اس کے لئے کوئی ترتیب بنائی جائے، آخر ہر صاحب ایمان ماں باپ، خاندان کے بزرگوں اور غریب رشتہ داروں کی خدمت کی اہمیت جانتا ہے، اگر محبت کے ماحول میں باہم مشورہ سے کسی نظام کا تعین ہو تو عام حالات میں افراد خاندان کا تعاون حاصل ہونا مشکل نہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مشترکہ نظام کی بڑی خرابیاں

(۸) مشترکہ نظام میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بالعموم موروثی جائیدادوں اور ذرائع آمدنی کی تقسیم عمل میں نہیں آتی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور بسا اوقات پشتہا پشت تک اسی طرح گذر جاتا ہے، عموماً اس کی نوبت اس وقت آتی ہے جب شدید اختلاف کے بعد انتہائی کشیدہ ماحول میں ورثہ علٰحدگی پر مجبور ہوتے ہیں، پھر بہت سے پرانے قضیے سامنے آتے ہیں حق تلفیوں اور زیادتیوں کے معاملات اجاگر ہوتے ہیں، اور نزاع اتنا شدید ہوجاتا ہے کہ اس کو حل کرنا آسان نہیں ہوتا، یہ بالعموم تمام ہی لوگوں کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے...... اس کی جگہ پر اگر لوگ جداگانہ طرز رہائش کی عادت بنالیں اور والدین بھی شادی کے بعد جلد ہی اپنی اولاد کو علٰحدہ کردیں تو وراثت کی فوری تقسیم کی ضرورت محسوس کی جائے گی اور بغیر کسی بڑے نزاع کے شفاف تقسیم عمل میں آئے گی، رزق بھی حلال اور تعلقات بھی الزامات اور کشیدگیوں سے بالاتر رہیں گے، شریعت اسلامیہ مشترک معاملات اور اجتماعی زندگی میں ایسے نظام العمل کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جس میں انسان مواقع تہمت اور موضع اشتباہ سے حتی الامکان محفوظ ہو، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إتقوا مواضع التهمة الحديث (ترجمہ: مقام تہمت سے بچو

الإثم ماحاک فی صدرک وکرهت أن يطلع عليه الناس رواه مسلم

(مشکوٰۃ باب الرفق والحیاء: ص ۴۳۱)

ترجمہ: گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور اس سے لوگوں کا باخبر ہونا پسند نہ ہو۔

(۹) مشترکہ نظام میں ایک بہت بڑی اقتصادی قباحت یہ ہے کہ آدمی عموماً انفرادیت، خوداعتمادی، شخصی آزادی اور خودکفیل ذریعۂ آمدنی سے محروم ہوجاتا ہے، بہت سے لوگوں کو دوسرے پر انحصار کا مزاج بن جاتا ہے اس کی بنا پر وہ اپنے بارے میں خود کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اس کی مضرت کا احساس اکثر لوگوں کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ شدید اختلاف کے بعد الگ ہوتے ہیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اس وقت دنیا میں وہ خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں، اردگرد جو لوگ ہوتے ہیں ان سے عداوت کی بنا پر وہ مشورہ تک نہیں لے سکتے، لاچار غیروں کا سہارا لینا پڑتا ہے، ایسے وقت مخلص اور غیر مخلص کی شناخت مشکل ہوتی ہے، اور مجبوری بھی ہوتی ہے، اس سلسلے کے تجربات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔

☆ دوسری اقتصادی خرابی یہ ہے کہ مشترکہ نظام میں کمانے والوں کی تعداد کھانے والوں سے بہت کم ہوتی ہے جس کا

منفی اثر خاندان کے علاوہ ملک کی معیشت پر بھی پڑتا ہے اور اس طرح آمد وخرچ کا توازن بگڑ جاتا ہے، جبکہ جداگانہ نظام میں خاندان کی ہر چھوٹی بڑی اکائی کام کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور ہر ذمہ دار شخص بہتر سے بہتر ذریعۂ آمدنی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ خود بھی ترقی کرتا ہے اور ملک کی معیشت بھی مضبوط ہوتی ہے۔

(۱۰) مشترکہ نظام میں ایک بہت بڑا مسئلہ حسابات کی شفافیت اور ہر شخص تک اس کی محنت اور سرمایہ کے مطابق منافع کے پہونچنے کا ہے، ایک گھر میں متعدد افراد خاندان ایک ساتھ گذر بسر کرتے ہیں ان میں کسی کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے کسی کی کم کسی کے اخراجات اس کی آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں تو کسی کے کم، والدین اگر حیات ہوں تو کوئی بیٹا گھر کے خرچ یا کاروبار کے لئے زیادہ پیسے دیتا ہے کوئی کم، ظاہر ہے کہ ہر شخص یکساں آمدنی اور خرچ کا تو مالک نہیں ہوسکتا، ہر شخص کی اپنی صلاحیتیں اور مواقع ہوتے ہیں، لیکن مشترکہ نظام میں باہمی جذبۂ تعاون کو بنیاد بنا کر اس تفاوت کو نظر انداز کیا جاتا ہے، بالخصوص باپ کی موجودگی میں یہ مسئلہ ہرگز زیر بحث نہیں آتا، لیکن جب سخت حالات میں سب کی جدائی عمل میں آتی ہے تو مشترکہ جائیداد کی تقسیم برابر برابر حسب حصۂ شرعی کی جاتی ہے، فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ ملکیتیں ممتاز نہیں ہیں اس لئے سارے لوگ باپ یا رئیس خاندان کے معاون تصور کئے جائیں گے اور موجود اثاثہ پر سب کا حق برابر ہوگا اور تقسیم حسب حصص شرعی انجام پائے گی (ردالمحتار کتاب الشرکۃ ۳/۳۸۳)

مگر اس کے بعد کتنی پیشانیاں شکن آلود ہوتی ہیں، بغض ونفرت، کینہ وحسد اور تہمت والزام تراشی کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، زیادہ کمائی دینے والے کو اپنے خسارہ کا احساس، اور کم دینے والے کو مزید سے مزید لینے کی فکر...... اس وقت سارا جذبۂ تعاون ہوا ہوجاتا ہے اور ایک ہی گھر کے افراد باہم اس طرح برسرپیکار نظر آتے ہیں جیسے صدیوں کی دشمنی چلی آرہی ہو، الامان والحفیظ، کیا فائدہ ایسے مشترکہ نظام اور وقتی جذبۂ تعاون کا، جس کا انجام اتنا بھیانک ہو؟...... بہت کم ہیں ایسے گھرانے جو اس شدید انجام سے بچ جاتے ہوں اکثر لوگ اس اذیت ناک بھٹی سے گذرتے ہیں...... اور شرعی مسائل کی بنیاد عام حالات پہ ہوتی ہے نہ کہ مخصوص اور استثنائی حالات پر...... **تلک عشرة کاملة**

یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر میری حقیر رائے میں جداگانہ خاندانی نظام زیادہ بہتر اور شرعی قباحتوں سے بڑی حد تک پاک ہے، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ جذبۂ تدین، احساس ذمہ داری اور دینی واخلاقی قدروں کا فقدان ہوتا جارہا ہے، امیدیں ٹوٹ رہی ہیں اور رشتوں پر مفادات کا غلبہ ہورہا ہے، ایسے حالات میں جداگانہ خاندانی نظام قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نہیں ہے،اس وقت خاندان کے بااثر لوگوں کی ذمہ داری ہوگی کہ بوڑھے والدین اور خاندان کے کمزور اور بزرگ حضرات کے لئے ایک نظام العمل مرتب کریں جس میں خاندان کی ہر اکائی کی مالی حیثیت اور قرابت وتعلق کو ملحوظ رکھا جائے ،اور خاندان کے جملہ افراد اپنی اولین ترجیحات میں اس کو شامل کریں۔

(۲)

مشترکہ نظام میں گھر کے اخراجات کی تقسیم

اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں ،کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم،تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

ضابطہ کی بات تو بظاہر یہ لگتی ہے کہ جس کا خرچ زیادہ ہو اس پر زیادہ اخراجات عائد کئے جائیں ،لیکن مشترکہ نظام کی روح اور اس کے مقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ سب پر برابر اخراجات عائد ہوں ،،بچوں کی تعداد کا لحاظ ضروری نہیں ہے ،اس لئے کہ اس نظام کی بنیاد تعاون باہمی پر ہے،تاکہ کوئی کمزور فرد کم آمدنی کی بنا پر زندگی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائے اور مالی دشواریاں اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہوں ،مشترکہ نظام میں کوئی اپنی مالی قوت سے فائدہ پہونچاتا ہے تو کسی کی افرادی قوت کام آتی ہے ،کوئی صحت سے کمزور ہوتا ہے تو کسی کی جسمانی صلاحیت اس کی مددگار ہوتی ہے ،اگر باہمی تعاون وتناصر کا جذبہ مفقود ہو جائے تو سرے سے یہ نظام ہی ختم ہو جائے گا اور کوئی ضرورت نہیں رہ جائے گی مشترکہ نظام کے اس ڈھیر سارے بکھیرے کی ،اگر ذمہ داریوں کے باب میں انفرادی اخراجات کا تناسب ہی ملحوظ ہو تو جداگانہ نظام ہی میں کیا قباحت تھی جو اس رسمی نام نہاد مشترکہ نظام کے جھمیلے میں آدمی پڑے،......

دراصل یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے مشترکہ نظام کا معروف دستور یہی ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیتا ہے اسی طرح رائج حقوق وفرائض میں بھی اس کی شراکت برابر کی ہوتی ہے ،اس نظام میں آمدوخرچ اور افادہ واستفادہ کا تناسب نہیں دیکھا جاتا ،بلکہ ہر شخص اس نظام کا حصہ ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی طاقت بھر حصہ داری نباہتا ہے ،پس ہر ایک کو اس نظام سے اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے ،......

اس مسئلہ میں درج ذیل فقہی عبارات سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے جو شرکت کے کاروبار کے ذیل میں کتب فقہ میں موجود ہیں ،جن کی متعدد صورتوں میں محنت وعمل میں بین فرق ہونے کے باوجود تمام شرکاء کو منافع میں برابر کا حصہ ملتا ہے:

☆وکذا لو اجتمع اخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرای (ردالمحتار ۳/ ۳۸۳)

ترجمہ:اگر کئی بھائی ملکر باپ کے ترکہ سے کاروبار کریں تو منافع میں سب برابر کے شریک ہونگے خواہ محنت وتجربہ کے لحاظ سے ان میں فرق ہو،

☆الاب وابنهٔ یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء کالکسب فکلهٔ للاب انکان الابن فی عیالهٖ لکونه معیناً ألاتریٰ لو غرس شجرة تکون للاب

(ردالمحتارفصل فی الشرکة الفاسدة ۳/ ۴۸۳وکذا فی الفتاوی الهندیة ۲/ ۳۲۹)

ترجمہ:باپ اور بیٹے ملکر کوئی کام کرتے ہوں اور دونوں میں سے کسی کا سرمایہ اس میں لگا ہوا نہ ہو مثلاً کوئی محنت یا ہنر والا کام کرتے ہوں اگر بیٹا باپ کے زیر سرپرستی رہائش رکھتا ہو تو ساری کمائی باپ کی متصور ہوگی اور بیٹا اس کا محض مددگار قرار دیا جائے گا۔

☆وفی الخانیة زوج بنیه الخمسة فی دارهٖ وکلهم فی عیالهٖ واختلفوا فی المتاع فهو للاب وللبنین الثیاب التی علیهم لاغیر (شامی فصل فی الشرکة الفاسدة ۳/ ۴۸۳)

ترجمہ: فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ کسی کے پانچ شادی شدہ بیٹے اس کے زیر پرورش گھر میں رہتے ہوں اور ان میں سامانوں کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو سارا سامان باپ کا مانا جائے گا اور بیٹوں کو صرف اپنے بدن کے کپڑوں کا مالک قرار دیا جائے گا۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا کہ مشترک نظام میں (اگر قیام وطعام سب مشترک ہو)والد یا میر کنبہ اصل ہوتا ہے اور باقی تمام افراد اس کے معاون تصور کئے جاتے ہیں اور اصل کے واسطے سے موجود اثاثہ پر سب کا حق مساوی پہونچتا ہے ،مذکورہ بالا فقہی عبارت میں بیٹے کی ساری آمدنی کا مالک بھی باپ کو قرار دیا گیا ہے ،اس کا مطلب ہے کہ اس میں ان بھائیوں کا بھی حصہ ہوگا جنہوں نے باپ کے ساتھ اس مال کے کمانے میں محنت نہیں کی تھی ......اسی طرح اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مشترک نظام کا اصل مقصد تعاون باہم ہوتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۳)

گھر میں جمع شدہ آمدنی سے کسی چیز کی خرید

(۳) اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

یہ مسئلہ بھی پچھلے اصول ہی سے جڑا ہوا ہے، فقہاء نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ہر ایسا مشترک معاملہ جہاں ملکیتیں مخلوط ہوں، متمائز نہ ہوں جن میں فی صد کا تعین مشکل ہو وہاں تمام شرکاء کا حق برابر مانا جائے گا، علامہ شامیؒ نے مستقل عنوان ہی قائم کیا ہے "مطلب اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ولایعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة" اس نوع کی متعدد نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں، شامی میں ہے:

وماحصلهٔ احدهما فلهٔ وماحصلا ہ معاً فلهما نصفین ان لم یعلم مالکل (درمختار) قولهٔ وما حصلا ہ معاً یعنی ثم خلطاه وباعاه ......وان لم یعرف مقدار ماکان لکل منهماصدق کل واحد منهما إلی النصف لانهما إستویا فی الاکتساب وکأن المکتسب فی أیدیهما فالظاهر أنهٔ بینهما نصفان ......ویوخذمن هذا ماأفتیٰ بهٖ فی الخیریة فی زوج إمرأة وإبنها إجتمعا فی دار واحدة وأخذکل منهما یکتسب علیٰ حدة ویجمعان کسبهماولایعلم التفاوت ولاالتساوی ولاالتمییز فأجاب بأنهٔ بینهما بینهما سویة (شامی ۳/۳۹۲)

ترجمہ: مال ایک نے حاصل کیا تو اسی ایک کو ملے گا، اور دو نے ملکر حاصل کیا تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، دونوں نے ساتھ حاصل کیا یعنی دونوں نے مال کو ملا کر بیچا......دونوں کی الگ الگ مقدار معلوم نہ ہو تو نصف تک ہر ایک کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ کمانے میں دونوں شریک ہیں اور گویا کمایا ہوا مال دونوں کے قبضے میں ہیں پس ظاہر ہے کہ وہ دونوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی،......فتاویٰ خیریہ میں ایک جزئیہ اسی بنیاد پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کا شوہر اور اس کا بیٹا دونوں ایک گھر میں رہتے ہیں اور علٰحدہ علٰحدہ کماتے ہوں اگر دونوں اپنی کمائی کو ملا دیں اور پتہ نہ چل سکے کہ کس کا کتنا حصہ ہے؟ تو دونوں میں برابر تقسیم ہوگا"

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث مسئلے میں والد یا امیر کنبہ کے پاس جمع شدہ رقم میں سب کا حق برابر ہوگا اور

اس میں آمدنی کا فرق ملحوظ نہیں ہوگا، اس لئے اس جمع شدہ سرمایہ کے کسی بھی حصہ سے جو چیز بھی خریدی جائے گی اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا، خواہ آمدنی سب نے برابر جمع کی ہو یا کم وبیش، البتہ ضروری ہے کہ یہ ساری آمدنی گھر کے خرچ کے لئے امیر کنبہ کے پاس جمع کی گئی ہو، اور اسی جمع شدہ آمدنی کی بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی ہو، لیکن اگر چند بھائیوں نے والد یا بڑے بھائی کے پاس گھر کے خرچ کے علاوہ الگ سے کوئی رقم بالاقساط یا یکمشت جمع کی اور اس رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سب کا حصہ برابر نہیں ہوگا بلکہ جمع شدہ آمدنی کے لحاظ سے سب کے حصہ کا تعین کیا جائے گا، بشرطیکہ جمع کا تناسب معلوم ہو،

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شکل میں جب کہ گھر کے اخراجات کے لئے سب نے آمدنی جمع کی اس کی بنیاد باہمی محبت، جذبۂ تعاون اور گھر کی عزت وآبرو کے تحفظ پر ہے، اس لئے اس میں آمدنی کے تناسب کا نہیں بلکہ محض اس جذبہ میں شراکت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس میں سب برابر کے شریک ہیں اس لئے جمع شدہ رقم پر سب کا حق برابر ہوگا، ...... برخلاف دوسری صورت کے کہ اس میں صرف بطور امانت یا وکالت رقم جمع کی گئی ہے، اور امیر کنبہ بھی اس کو ان کی مرضی کے بغیر خرچ نہیں کر سکتا اس لئے اس میں صرف انہی لوگوں کا حصہ ہوگا جنہوں نے وہ رقم جمع کی ہوگی اور اسی قدر جس تناسب سے رقم جمع کی گئی ہوگی۔ عالمگیری میں ہے:

الا اذاکان لها کسب علیٰ حدة فهو لها کذافی القنیة (فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۲۹ کتاب الشرکۃ)

ترجمہ: البتہ اگر اس کی کمائی علٰحدہ ہو تو وہ کمائی اسی کی ہوگی۔

(۴)

زیادہ کمانے والے بھائی کی زائد آمدنی میں دوسرے بھائیوں کا حصہ

(۴) اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی اس میں دیگر بھائیوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا، اس لئے کہ آمدنی کا یہ حصہ مشترکہ نظام کے دائرے سے خارج ہے، یہ اس کی ذاتی ملک ہے جو اس نے اپنے لئے پس انداز کی ہے، مشترکہ نظام کے دائرے میں صرف وہ رقم داخل ہوگی جو اس غرض سے اس میں شامل کی جائے گی، بقیہ رقم کو الگ کر لینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس رقم کو اس نظام کا حصہ بنانا نہیں چاہتا، اور کسی کی مرضی کے بغیر اس کے مال پر تصرف جائز نہیں، اس لئے بچا ہوا مال اس کی ذاتی ملکیت ہی میں رہے گا اور اس پر کسی بھائی یا بہن کا کوئی حق نہیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوگا۔

(۵)

کمانے والے افراد کی کمائی میں گھر کا کام دیکھنے والوں کا حصہ

(۵) اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہونگے؟

مسئلے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(الف) کوئی مشترکہ موروثی یا غیر موروثی کاروبار ہو جس میں کچھ لوگ کاروبار میں لگے ہوں اور کچھ گھر کے معاملات دیکھتے ہوں، ایسی صورت میں کاروبار میں لگے افراد کی آمدنی میں گھر میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حصہ دار ہونگے، اس لئے کہ گھر اور کاروبار دونوں کے شرکاء ایک ہیں اور صرف تقسیم کار کے اصول پر کام کو بانٹ دیا گیا ہے۔

(ب) لیکن اگر کوئی ایسا مشترکہ کاروبار نہ ہو بلکہ تمام لوگ اپنے اپنے طور پر کام کرتے ہوں اور اسی میں سے کچھ رقم گھر کے خرچ کے لئے دیتے ہوں اور کچھ حسب سہولت پس انداز کر لیتے ہوں اور کچھ لوگ وہ ہوں جو گھر کے معاملات میں مشغول ہوں اور کوئی آمدنی والا کام نہ کرتے ہوں، ایسی صورت میں وہ رقم جو گھر کے خرچ کے لئے کمانے والوں نے دے دی ہے اس میں ظاہر ہے کہ سارے افراد کا برابر حصہ ہوگا، لیکن جو رقم ان لوگوں نے گھر میں نہیں دی بلکہ اپنے پاس رکھ لی، اس میں دیگر حضرات کا حصہ دار ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ جو مال انسان کی ذاتی ملکیت سے خارج نہیں ہوا اس پر دوسرے کا حق کیوں کر ثابت ہوسکتا ہے؟...... زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ گھر کے کام میں لگے ہوئے لوگوں کو آمدنی لانے سے مستثنیٰ کردیا جائے اور ان کی محنت کو دوسروں کی کمائی کا بدل قرار دیا جائے یعنی وہ بغیر کمائے ہوئے بھی گھر میں جمع ہونے والی آمدنی میں برابر کے حقدار ہونگے، لیکن کمائی کا وہ حصہ جو کمانے والوں کی جیب سے نکل کر گھر میں نہیں آیا وہ ظاہر ہے کہ ان کی نجی ملک ہے اس پر دوسروں کو حق دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(٦)

والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری

(٦) والدین ساری زندگی بچوں کی خدمت کرتے ہیں اور کفالت بھی اور بڑھاپے میں انہیں خدمت وکفالت کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے وقت شریعت اسلامیہ والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری اولاد پر عائد کرتی ہے، قرآن کریم میں ہے،

وقضیٰ ربک ألاتعبدوا إلاإیاہ وبالوالدین احساناً (الاسراء: ٢٣)

ترجمہ: اور تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

ووصینا الانسان بوالدیہ احساناً (عنکبوت: ٨)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی۔

وصاحبھما فی الدنیا معروفاً (لقمان: ١٥)

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک کرو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا اور عرض کیا:

یارسول اللہ إن لی مالاً وإن لی أباً ولہٗ مال وإن أبی یرید أن یاخذ مالی، فقال رسول اللہ ﷺ أنت ومالک لابیک (ابوداؤد، کتاب البیوع باب فی المؤجل یأکل من مال ولدہٖ، ٣٥٣٠، ابن ماجہ کتاب التجارات باب ما للرجل من مال ولدہٖ ٢٢٩٢، مسند احمد ٢/٢١٤)

ترجمہ: یارسول اللہ! میرے پاس مال ہے اور میرے والد کے پاس بھی مال ہے، پھر بھی میرے والد میرا مال لینا چاہتے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

بعض روایات میں اولاد کو انسان کی کمائی قرار دیا گیا ہے:

إن أطیب ماأکل الرجل من کسبہٖ وإن ولدہٗ من کسبہٖ فکلوا من کسب اولادکم إذا احتججتم إلیہ بالمعروف (ابوداؤد ٣/٨٠١ ط حمص، ابن ماجہ ٢/٧٦٩ ط الحلبی)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ترجمہ: سب سے پاکیزہ رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائے، اور اولاد بھی انسان کی کمائی ہے، پس ضرورت کے وقت اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ معروف طریقہ پر۔

والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داریاں

فقہاء نے پوری تفصیل کے ساتھ والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داریوں کو واضح کیا ہے:

☆ اگر والدین ضرورت مند ہوں اور ان کے پاس مال نہ ہو تو اولاد پر ان کی کفالت واجب ہے، والدین کمانے پر قادر ہوں یا نہ ہوں اگر وہ نہیں کمارہے ہیں تو ان کو کمانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کو خرچ مہیا کرنا اولاد کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ اولاد صاحب استطاعت ہو یا کمانے پر قادر ہو اور کمائی میں اس کے اپنے اور بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ گنجائش ہو (تبیین الحقائق ۳/۶۴، شامی ۲/۶۷۸)

☆ اگر ماں کے مرنے کے بعد باپ نے دوسری شادی کرلی ہو اور باپ کی خدمت کے لئے سوتیلی ماں کا باپ کے پاس رہنا ضروری ہو اور اس کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو تو صاحب استطاعت اولاد پر باپ کے ساتھ سوتیلی ماں کا خرچ بھی واجب ہوگا، البتہ اگر باپ سوتیلی ماں کے بغیر بھی خود اپنے سارے امور انجام دے سکتا ہو تو اس صورت میں اولاد پر سوتیلی ماں کا خرچہ واجب نہیں ہوگا، دے تو باعث فضیلت ہے ورنہ مجبور نہیں کیا جائے گا۔

☆ اگر باپ کو خدمت گار کی ضرورت ہو تو خدمت گار کی فراہمی بھی اولاد کے ذمہ ہے، بشرطیکہ ان کے پاس اتنی گنجائش ہو،

☆ اگر ماں باپ کے پاس نابالغ یا معذور اولاد ہو جن کے اخراجات کا بوجھ بھی انہی کے سر ہو تو ماں باپ کے ساتھ ان کی چھوٹی اولاد کے اخراجات بھی حسب گنجائش کمانے والی اولاد پر واجب ہوگی، (بدائع الصنائع کتاب النفقۃ سبب وجوب ھذہ النفقۃ ۳/۴۴۳، فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۵ ط دیوبند)

☆ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر باپ کو نکاح کی ضرورت ہو اور بیٹے کے پاس اتنی استطاعت ہو تو باپ کی شادی کرانا بھی اس کی ذمہ داری ہے (فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۵ ط دیوبند)

☆ البتہ اگر اولاد میں کوئی اس قدر صاحب استطاعت نہ ہو کہ ان کے کھانے پینے اور خدمت کا مستقل انتظام کر سکے جبکہ والدین بالکل محتاج اور معذور ہوں، اور ان کے انتظام کی کوئی دوسری شکل موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ

موجود اولاد اپنے شامل ان کی رہائش اور کھانے پینے کا نظم کرے، اس لئے کہ مشترکہ کھانے میں ایک دو آدمی کے کھانے کی گنجائش بآسانی نکل سکتی ہے، اور الگ رہنے میں جبکہ بنیادی اخراجات کا بھی نظم ممکن نہ ہو، والدین کی صحت اور زندگی کے لئے بڑے خطرات ہیں

(فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۵ ط دیوبند، بدائع الصنائع کتاب النفقۃ شرائط وجوب النفقۃ ۳/۴۴۹)

☆ اگر اولاد باوجود استطاعت وسہولت کے والدین کے اخراجات سے انکار یا ٹال مٹول کرے تو والدین کو حق ہوگا کہ وہ ان کو بتائے بغیر اپنے خرچ کے بقدر مال لے لے، اگر وہاں قاضی ہو تو قاضی کے پاس اپنا معاملہ لے جائے، (فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۷ ط دیوبند)

☆ یہی حکم جمہور فقہاء کے نزدیک اولاد کی اولاد کے لئے بھی ہے یعنی اگر اپنی اولاد مرچکی ہو یا خود بہت محتاج اور معذور ہو تو احکام کی یہ تفصیلات اولاد کی اولاد پر بھی عائد ہونگی اور یہ سلسلہ نیچے تک چلتا رہے گا

(العنایۃ علی الہدایہ ۴/۴۱۰، مغنی المحتاج ۳/۴۴۶)

☆ اسی طرح فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری اولاد ذکور واناث دونوں پر برابر عائد ہوتی ہے، اگر اولاد میں کوئی زیادہ خوشحال ہے اور کوئی کم تب بھی واجبات کی ادائیگی میں فرق نہیں کیا جائے گا شمس الائمہ سرخسیؒ نے بعض مشائخ کا قول نقل کیا ہے کہ اولاد میں تھوڑے بہت فرق کا اعتبار نہیں ہے لیکن بہت زیادہ فرق ہو تو فرق کا لحاظ رکھا جائے گا (فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۴، ۵۶۵ ط دیوبند)

شامی میں ہے کہ اگر والدین چلنے پھرنے سے معذور ہو جائیں اور ان کی خدمت اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو اور ایک بیٹی ہے جو شادی شدہ ہے اور اپنی سسرال میں رہتی ہے تو اس شادی شدہ بیٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ باپ کے گھر آکر ان کی خدمت اور دیکھ بھال کا فریضہ ادا کرے، اگر شوہر اس کے لئے راضی نہ ہو تب بھی والدین کو اس بے بسی کی حالت میں تنہا نہ چھوڑے، ایسے موقعہ پر ماں باپ کا حق مقدم ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ شوہر اس کا نفقہ بند کردے گا مگر نفقہ کی لالچ میں والدین کی خدمت نہ چھوڑے:

ولو أبوها ...... زمنا مثلاً فاحتاجها فعليها تعاهده ولو كافراً وإن أبى الزوج "فتح"(درمختار)

ای مريضاً مرضاً طويلاً ...... وهذا اذا لم يكن من يقوم عليه ...... لان ذلك من المصاحبة

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بالمعروف المأمور بها ......لرجحان حق الوالد وهل لها النفقة الظاهر لا وإن كانت خرجت من بيته بحق كما لو خرجت لفرض الحج (ردالمحتار كتاب الطلاق مطلب فى الكلام على المؤنسة ۵/۲۵۷، ۲۵۸ ط ديوبند)

☆ رہ گیا مسئلہ بہو کا،تو قانونی طور پر وہ شوہر کے والدین کے لئے جوابدہ نہیں ہے،قانونی طور جس شخص کی وہ بیوی ہے وہ بھی اپنی خدمت کے لئے اسے مجبور نہیں کرسکتا،فقہاء نے اس ذیل میں ایک دلچسپ جزئیہ لکھا ہے :

ولو جاء الزوج بطعام يحتاج إلى الطبخ والخبز فأبت المرأة الطبخ والخبز يعني بأن تطبخ و تخبز لما روى أن رسول الله ﷺ قسم الاعمال بين علىؓ وفاطمةؓ فجعل أعمال الخارج على علىؓ وأعمال الداخل علىٰ فاطمةؓ ولكنها لاتجبر على ذلك إن أبت ويؤمر الزوج أن ياتى لها بطعام مهيأ

(بدائع الصنائع كتاب النفقة بيان مقدار الواجب فى النفقة ۳/ ۴۳۰ ،شامى كتاب الطلاق ۵/ ۲۳۱)

ترجمہ:اگر شوہر ایسا کھانا لیکر آئے جس کو پکانے یا روٹی بنانے کی ضرورت ہو اور عورت پکانے سے انکار کردے جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر کے کام کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تقسیم کردیا تھا،حضرت علیؓ کے ذمہ باہر کا کام اور حضرت فاطمہؓ کے ذمہ اندر کا کام مقرر فرمایا تھا،لیکن اگر عورت انکار کردے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا اور شوہر سے کہا جائے گا کہ وہ بیوی کے لئے تیار شدہ کھانا لیکر آئے''۔

ظاہر ہے کہ پھر شوہر کے والدین کی خدمت کے لئے اس کو مجبور کیسے کیا جاسکتا ہے؟ یہ سارا معاملہ اخلاقی ہے جیسے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان اخلاقی بنیادوں پر کاموں کی تقسیم فرمادی تھی،اسی بنیاد پر المعروف کالمشروط کے اصول پر ساس سسر کی خدمت و دیکھ بھال کا بار بہو پر ڈالا جاسکتا ہے،اور اس سے کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح تمہارا شوہر تمہارے ماں باپ کا خیال رکھتا ہے،تم کو بھی اس کے ماں باپ کا خیال رکھنا چاہئے ،بہت سے کام جو قانون کے بل پر نہیں ہوسکتے ،اخلاقی قوت کے ذریعہ ہوجاتے ہیں خصوصاً گھریلو اخلاقیات جو عرف میں رائج ہوں،ان کی نزاکت کا لحاظ تو ہر ایک کو رکھنا چاہئے،آخر ایک نہ ایک دن ہر ایک کو اس مرحلے سے گذرنا ہے،علامہ حصکفیؒ نے میاں بیوی کے مسائل کے ذیل میں کثرت مہر کو جہیز سے جوڑتے ہوئے لکھا ہے:

وعليه فلوزفت به إليه لايحرم عليه الإنتفاع به وفى عرفنا يلتزمون كثرة المهر لكثرة الجهاز وقلته لقلته ولاشک أن المعروف كالمشروط فينبغى العمل بمامر كذا فى النهر

(درمختار علىٰ ردالمحتار كتاب الطلاق مطلب فى الابراء عن النفقة ۵/ ۲۳۸)

ترجمہ:عورت جو سامان جہیز لیکر آتی ہے اس سے شوہر کا استفادہ کرنا جائز ہے،اس لئے کہ ہمارے عرف میں جن عورتوں کا مہر زیادہ ہوتا ہے وہ زیادہ سامان جہیز لیکر آتی ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ معروف،مشروط کی طرح ہوتا ہے،اس لئے اس پر عمل ہونا چاہئے۔

(۷)

قریبی رشتہ داروں سے پردہ کا مسئلہ

(۷) مشترک خاندان میں ایک بڑا مسئلہ قریبی رشتہ داروں سے باہم پردہ کا ہے،خاص طور سے جب خاندان کافی بڑا ہو اور سب یا اکثر ایک ہی احاطے میں رہتے ہوں تو بہت احتیاط کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہوپاتا، پردہ کے بارے میں شریعت کا مزاج اور مذاق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز فتنہ اور موقعۂ تہمت سے اجتناب ہے ،جہاں فتنہ جتنا زیادہ سخت ہوگا،کراہت اتنی ہی شدید ہوگی،حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اياكم والدخول على النساء فقال رجل من الانصار يارسول الله !أفرأيت الحمو قال الحمو الموت الحديث متفق عليه (مشكوٰة باب النظر الى المخطوبة ص ۲۶۸)

ترجمہ:عورتوں کے پاس جانے سے بچو،ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! دیور کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا دیور تو موت ہے۔

وعن عامر بن ربيعةؓ قال رسول الله ﷺ لايخلون رجل بإمرأة قال ثالثها الشيطان

(مشكوٰة باب النظر الى المخطوبة ص ۲۶۸)

ترجمہ:حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے،فرمایا کہ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گھروں میں سترعورت کا مسئلہ نہیں ہے حجاب کا مسئلہ ہے جس کا تذکرہ احادیث میں کیا گیا ہے یا قرآن پاک میں آیا ہے کہ جب باہر نکلو تو اپنے اوپر جلباب ڈال لیا کرو(ویدنین علیھن من جلابیبھن) یہ اس لئے نہیں کہ چہرہ عورت ہے بلکہ اس لئے کہ اسی سے فتنہ کا آغاز ہوتا ہے، دیور وغیرہ سے لوگ مذاق اور بے تکلفی کا رشتہ تصور کرتے ہیں اس لئے وہاں تنہائی اور بے پردگی اور بھی زیادہ خطرناک ہے......فقہاء حنفیہ کا نقطۂ نظر اس سلسلے میں بہت نرم، لچکدار، معتدل اور موجودہ حالات میں زیادہ قابل عمل ہے:

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لالانهٔ عورة بل لخوف الفتنة كمسهٖ وإن أمن الشهوة (درمختار) والمعنىٰ تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة ......وهذا في الشابة أماالعجوز التي لاتشتهى فلاباس بمصافحتهاومس يدها إن أمن ......ولايجوز النظر اليه بشهوة أي إلا لحاجة ......والتقييد بالشهوة يفيد جوازها بدونها لكن سيأتي في الحظر تقييدهٗ بالضرورة وظاهرهٗ الكراهة بلاحاجة داعية قال في التتارخانية وفي شرح الكرخي النظر إلىٰ وجه الاجنبية الحرة ليس بحرام ولكنه يكره لغير حاجة (ردالمحتار كتاب الصلاة مطلب في ستر العورة ٢/ ٧٢،٧٣)وكذا في المبسوط للسرخسي ١٠/ ١٥٢ ،وفتح القدير ١/ ١٨١)

ترجمہ: جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے اس لئے نہیں روکا جاتا کہ وہ سترعورت کے دائرے میں داخل ہے، بلکہ اس لئے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، جس طرح کہ عورت کو چھونا درست نہیں محض فتنہ سے بچنے کے لئے اگرچہ کہ شہوت سے محفوظ ہو......مطلب یہ ہے کہ عورت اگر مردوں کے درمیان چہرہ کھولے گی اور لوگ اس کا چہرہ دیکھیں گے تو فتنہ پیدا ہوسکتا ہے...... یہ حکم جوان عورت کے لئے ہے، بوڑھی غیر مشتہاۃ عورت سے مصافحہ کرنے اور اس کا ہاتھ چھونے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ شہوت سے محفوظ ہو......اسی طرح جوان عورت کے چہرہ کو بلاضرورت دیکھنا جائز نہیں، شہوت کی قید کا مقصد یہ ہے کہ شہوت نہ ہو تو دیکھ سکتے ہیں، مگر ضرورت کی قید برقرار ہے، یعنی واقعی ضرورت کے بغیر چہرہ دیکھنا مکروہ ہے، تاتارخانیہ میں شرح الکرخی کے حوالے سے ہے کہ اجنبی عورت کا چہرہ دیکھنا حرام نہیں ہے البتہ بلاضرورت مکروہ ہے۔

علامہ شامی نے مختلف فقہی کتابوں کے حوالے سے جو بات منقح کی ہے وہ یہ کہ جوان عورت کا چہرہ کسی اجنبی کے لئے بلاضرورت دیکھنا مکروہ ہے، اگر حاجت ہو اور انسان شہوت سے محفوظ ہو تو بقدر حاجت غیر محرم عورت کا چہرہ دیکھنا درست ہوگا۔

مشترک نظام میں جبکہ خاندان کی متعدد اکائیاں ایک احاطے میں قیام پذیر ہوتی ہیں ایک دوسرے کا آمنا سامنا ہونے سے بچنا بہت مشکل ہے، یہ ایک مجبوری ہے جس میں ابتلائے عام ہے، یہ ویسی ہی مجبوری ہے جس کو فقہاء نے حاجت داعیہ کہا ہے، اسلئے اگر شہوت سے امن ہو تو بلا ارادہ غیر محرم عورت کے چہرہ پر نظر پڑ جانے میں مضائقہ نہیں، البتہ ارادہ کے ساتھ نہ دیکھے، تنہائی میں اکٹھا ہونے سے ہر ممکن پرہیز کرے، باہر یا اپنے کمرے سے گھر کے احاطے میں داخل ہو تو آواز دیکر یا کھانس کر داخل ہوتا کہ غیر محرم عورتیں محتاط ہو جائیں اور بلاضرورت کسی پر نظر نہ پڑے، عورتیں بھی جب اپنے کمروں سے نکلیں تو پورے پردہ کے ساتھ نکلیں جس میں صرف ضرورت کے بقدر ہی آنکھ وغیرہ کھلی ہو، ہنسی مذاق اور بے تکلفی سے پوری احتیاط برتیں، دل ونگاہ کو پاک رکھیں اور جان بوجھ کر کسی ایسی جگہ نہ رہیں جہاں تنہائی میں کوئی اس سے ملنے کی کوشش کرے، اس احتیاط کے ساتھ رہا جائے تو مشترک نظام مشکل ہونے کے باوجود ناجائز نہیں رہے گا،

عصر حاضر کے بزرگوں میں حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے اپنے فتاویٰ میں گھریلو پردہ کے بارے میں تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا ہے، (دیکھئے فتاویٰ محمودیہ ۲۷۴/۸، ۲۷۵) واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

....

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com